بِسْمِ اللهِ

پیغام صلح انٹرنیشنل

جون ۲۰۲۱ء

شوال / ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا ترجمان۔

ہمارے عقاید

حضرت محمد مصطفی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا

قرآن کی کسی آیت کی نہ تلاوت منسوخ ہے اور نہ حکم

حضرت مرزا غلام احمدؒ وہ مجدد تھے، جن کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی۔

مدیران

شاہد عزیز

مسز سمیرا احمد

ارشد علوی

فہرست مضامین

۱: کلام امام خُدا کا کلام اسکی ہستی کا زبردست ثبوت ہے۔(اسلامی اصول کی فلاسفی قسط۔۱۹) ۲

۲: مصائب و مشکلات میں صبر و استقلال اور ہمت و حوصلہ خطبہ حضرت مولانا محمد علی ۵

۳: کلام گورونانک

۴: عیسیٰؑ کی بعثت ثانی ۸

حضرت مسیح موعود نے فرمایا

مردم شماری کے فارم میں لکھو 'مسلمان فرقہ احمدیہ'۔

- 'مجھے چھوڑ کر تم کون سا اسلام پیش کروگے۔"

غیر از جماعت امام اگر کلمہ گو کو کافر کہنے والے کے کافر ہونے کا اعلان کرے تو اُس کے پیچھے نماز ادا کرو۔

- احمدی کے لئے لازمی ہے کہ ہر ماہ چندہ دے۔

جو شخص تین ماہ تک چندہ نہیں دیتا وہ جماعت سے خارج ہے۔

ہر احمدی کے لئے اپنی وصیت میں جماعت کے لئے ایک حصہ چھوڑنا لازمی ہے۔

نشریات

وقت بمطابق برطانوی ٹائم

Radio Virtual Mosque on http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

Youtube: shorturl.at/foF02

پروگرام و اوقات

اتوار - اردو ۱۴:۰۰ انگریزی ۱۴:۳۰

جمعہ - انگریزی ۱۳:۰۰

عیدین - انگریزی ۱۱:۰۰

پیر سے جمعرات نشریات

۱۹۰۰ - تدبر القرآن اردو

۱۹۳۰ - Reflections on the Holy Quran انگریزی

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

ای میل: Imam@LACommunity.uk

وقت تھا، وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

کلامِ امام

از حضرت مرزا غلام احمدؑ

خُدا کا کلام اُسکی ہستی کا زبر دست ثبوت ہے

مُرتّب:۔ ارشد علوی (قسط۔۱۹ صفحہ ۷۱ تا ۷۸)

حضرت مسیح موعودؑ اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرماتے ہیں۔

صِفّاتِ بارِی تعالیٰ کا بیان قُرآن کریم میں میانہ روی کی تعلیم اور حِکمت

یہ دلائل وجودِ باری ہیں جو ہم نے بطور نمونہ کے لکھ دیئے۔ بعد اس کے یہ بھی جاننا چاہئے کہ جس خُدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے اس کی اس نے یہ صِفّات لکھی ہیں هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (الحشر:۲۲)۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (الحشر:۲۳) هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر:۲۴) عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (البقرة:۲۰) رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ (الفاتحۃ:۲تا۴) ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ (البقرة:۱۸۶) ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ك (البقرة:۲۵۵) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ ذ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ (الاخلاص:۲تا۵) یعنی وہ خُدا جو وحدہٗ لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اس کی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آجائے۔ اس صورت میں خُدائی معرض

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان

۲. آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:۔ ”اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا“، ”جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“ ”میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔“

۳. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں، نہ قیامت تک منسوخ ہو گا۔

۴. بمُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونوانبیاء

۵. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶. ہر ایک شخص جو لَاۤاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: ”اور اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔“

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

خطرہ میں رہے گی۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خُدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خُدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خُدا کی صفات فرض کریں تو وہ سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں ہوسکتا۔ وہی خُدا ہے جس کی پرستش میں ادنیٰ کو شریک کرنا ظلم ہے۔ پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے۔ یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ ہم آفتاب او رماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خُدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ عالم الشھادۃ ہے یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔ یہ جائز نہیں کہ وہ خُدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو۔ وہ اس عالم کے ذرّہ ذرّہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دے گا۔ اور قیامت برپا کردے گا۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوگا؟ سو وہی خُدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔ پھر فرمایا -: هُوَ الرَّحْمٰن یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرص سے اور نہ کسی عمل کی پاداش میں ان کے لئے سامان راحت میسّر کرتا ہے۔ جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنادیا۔ اس عطیہ کا نام خُدا کی کتاب میں رحمانیت ہے۔ اور اس کام کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے اور پھر فرمایا کہا اَلرَّحِیۡمِ یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے۔ اور یہ صفت رحیمیّت کے نام سے موسُوم ہے۔ اور پھر فرمایا۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ یعنی وہ خُدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو۔ وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو۔ اور پھر فرمایا اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ یعنی وہ خُدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغ عیب نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں۔ اگر مثلاً تمام رعیّت جلاوطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی اگر مثلاً تمام رعیّت قحط زدہ ہوجائے تو پھر خراج شاہی کہاں سے آئے اور اگر رعیّت کے لوگ اس سے بحث شروع کردیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت اپنی ثابت کرے۔ پس خُدا تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے۔ وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کرکے اور مخلوقات پیدا کرسکتا ہے۔ اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی۔ کیونکہ وہ دُنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دے کر پھر دُوسری دُنیا کہاں سے لاتا۔ کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے لئے پھر پکڑتا اور ظلم کی راہ سے اپنی معافی اور نجات دہی کو واپس لیتا تو اس صورت میں اس کی خدائی میں فرق آتا اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح ایک داغدار بادشاہ ہوتا جو دنیا کے لئے قانون بناتے ہیں۔ بات بات میں بگڑتے ہیں اور اپنی خُود غرضی کے وقتوں پر جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیرِ مادر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً قانونِ شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لئے ایک کشتی کے سواروں کو تباہی میں ڈال دیا جائے اور ہلاک کیا جائے مگر خُدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہئے۔ پس اگر خُدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو وہ یا تو کمزور راجوں کی طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا۔ اور یا عادل بن کر خُدائی کو ہی الوداع کہتا۔ بلکہ خُدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا السّلام یعنی وہ خُدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے۔ اس کے معنے بھی ظاہر ہیں کیونکہ اگر وہ آپ ہی مصیبتوں میں پڑتا لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو اس بدنمونہ کو دیکھ کر کس طرح دل تسلّی پکڑتے کہ ایسا خُدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے چھڑا دے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے بارے میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔـا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝۷۳ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۷۴ (الحج:۷۴،۷۳) جن لوگوں کو تم خُدا بنائے بیٹھے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ اگر سب مل کر ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو کبھی پیدا نہ کرسکیں اگرچہ ایک دُوسرے کی مدد بھی کریں۔ بلکہ اگر مکھی کوئی ان کی چیز چھین کرلے جائے تو انہیں طاقت نہیں ہوگی کہ وہ مکھی سے چیز واپس لے سکیں۔ ان کے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور ہیں۔ کیا خُدا ایسے ہوا کرتے ہیں؟ خُدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں والوں سے زیادہ قوت والا اور سب پر غالب آنے والا ہے۔ نہ اُس کو کوئی پکڑ سکے اور نہ مار سکے۔ ایسی غلطیوں میں جو لوگ پڑتے ہیں وہ خُدا کی قدر نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے خُدا کیسا ہونا چاہئے اور پھر فرمایا کہ خُدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید

پر دلائل قائم کرنے والا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے خُدا کا ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہو سکتا اور نہ خُدا کے سامنے شرمندہ ہو گا۔ کیونکہ اس کے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں۔ لیکن بناوٹی خُدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے۔ وہ بجائے دلائل بیان کرنے کے ہر ایک بیہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے تا ہنسی نہ ہو اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (الحشر:۲۳) یعنی وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنانے والا ہے۔ اور اس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے۔ اور فرمایا۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ (الحشر:۲۴) یعنی وہ ایسا خُدا ہے کہ جسموں کا بھی پیدا کرنے والا اور رُوحوں کا بھی پیدا کرنے والا۔ رحم میں تصویر کھینچنے والا ہے۔ تمام نیک نام جہاں تک خیال میں آسکیں سب اُسی کے نام ہیں۔ اور پھر فرمایا۔ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر:۲۴)۔ یعنی آسمان کے لوگ بھی اُس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے۔ اور وہ لوگ بھی پابند خُدا کی ہدایتوں کے ہیں۔ اور پھر فرمایا عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (البقرۃ:۲۰) یعنی خُدا بڑا قادر ہے۔ یہ پرستاروں کے لئے تسلّی ہے۔ کیونکہ اگر خُدا عاجز ہو اور قادر نہ ہو تو ایسے خُدا سے کیا امیدیں رکھیں۔ اور پھر فرمایا۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (الفاتحۃ:۲تا۴)۔ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ (البقرۃ:۱۸۶)۔ یعنی وہی خُدا ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنے والا۔ رَحْمٰنِ رَحِيْمِ اور جزاء کے دن کا آپ مالک ہے۔ اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ ہر ایک پکارنے والے کی پکار کو سننے والا۔ اور جواب دینے والا۔ یعنی دُعاؤں کا قبول کرنے والا۔ اور پھر فرمایا اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (البقرۃ:۲۵۵) یعنی ہمیشہ رہنے والا۔ اور تمام جانوں کی جان اور سب کے وجود کا سہارا۔ یہ اس لئے کہا کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو۔ تو اس کی زندگی کے بارے میں بھی دھڑکا رہے گا کہ شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے۔ اور پھر فرمایا کہ وہ خُدا اکیلا خُدا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا۔ اور نہ کوئی اس کے برابر اور نہ کوئی اس کا ہم جنس۔

اور یاد رہے کہ خُدا تعالیٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اس میں زیادت یا کمی نہ کرنا۔ یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالک حقیقی کے حق میں بجالاتا ہے۔ یہ تمام حصہ اخلاقی تعلیم کا ہے۔ جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا ہے۔ اس میں اصول یہ ہے کہ خُدا تعالیٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفریط سے بچایا ہے۔ اور ہر ایک خلق کو اس حالت میں خلق کے نام سے موسوم کیا ہے کہ جب اپنی واقعی اور واجب حد سے کم و بیش نہ ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نیکی حقیقی وہی چیز ہے جو دو حدوں کے وسط میں ہوتی ہے۔ یعنی زیادتی اور کمی یا افراط اور تفریط کے درمیان ہوتی ہے۔ ہر ایک عادت جو وسط کی طرف کھینچے اور وسط پر قائم کرے وہی خُلقِ فاضل کو پیدا کرتی ہے۔ محل اور موقعہ کا پہچاننا ایک وسط ہے۔ مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بودے یا وقت کے بعد۔ دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے۔ نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور وسط موقع بنی میں۔ یا یوں سمجھ لو کہ حق وہ چیز ہے کہ ہمیشہ دو متقابل باطلوں کے وسط میں ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عین موقع کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے اور خُدا شناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خُدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خُدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے۔ یہی طریق قرآن شریف نے صفاتِ باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خُدا دیکھتا، سُنتا، جانتا، بولتا، کلام کرتا ہے۔ اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کے لئے یہ بھی فرماتا ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ (الشوریٰ:۱۱) فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (النحل:۷۴) یعنی خُدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کے لئے مخلوق سے مثالیں مت دو۔ سو خُدا کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بَین بَین رکھنا یہی وسط ہے۔ غرض اِسلام کی تعلیم تمام میانہ روی کی تعلیم ہے۔ سورہ فاتحہ بھی میانہ روی کی ہدایت فرماتی ہے کیونکہ خُدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (الفاتحہ۔۷)۔ مغضوب علیھم سے وہ لوگ مراد ہیں جو خُدا تعالیٰ کے مقابل پر قوتِ غضبی کو استعمال کر کے قویٰ سبعیہ کی پیروی کرتے ہیں اور ضالین سے وہ مراد ہیں جو قویٰ بہیمیہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور میانہ طریق وہ ہے جس کو لفظ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے یاد فرمایا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرۃ:۱۴۳) یعنی ہم نے تم کو وسط پر عمل کرنے والے بنایا اور وسط کی تعلیم تمہیں دی۔ سو مبارک وہ جو وسط پر چلتے ہیں۔ خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا۔ (فہرست مضامین)

خطبہ ۷ شوال ۱۳۴۶ھ ۳۰ مارچ ۱۹۲۸ء

مصائب و مشکلات میں صبر و استقلال اور ہمت و حوصلہ

حضرت مولانا محمد علیؒ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللهِ وَاللهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۔ لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ۔ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۔ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللهِ وَمَا عِنْدَ اللهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۔ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوْا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (۲۰۰-۳:۱۹۵)

ترجمہ: ’’اُن کے رَبّ نے اُن کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے سے ہو، سو جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے میں ضرور اُن کی تکلیفوں کو اُن سے دور کر دوں گا۔ اور میں ضرور ان کو باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے۔ جو کافر ہیں اُن کا ملکوں میں تصرف تجھے دھوکے میں نہ ڈالے۔ تھوڑا سا سامان ہے پھر اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ لیکن جنہوں نے اپنے رب کا تقویٰ کیا اُن کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ انہی میں رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ راستبازوں کے لئے بہت اچھا ہے۔ اور اہل کتاب میں سے وہ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف اُتارا گیا اور اس پر جو اُن کی طرف اتارا گیا۔ اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں لیتے، انہی کے لئے اُن کے رب کے پاس اُن کا اجر ہے۔ بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور مقابلے میں بڑھ کر صبر دکھاؤ اور محافظت کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔‘‘

اور پھر آپؒ نے فرمایا۔ کہ مسلمانوں کی وہ کامیابی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا آپؐ کے بعد ہم کو نظر آتی ہے، اس کی وجوہ کو اگر غور سے تلاش کیا جائے، تو ایک ہی بڑی بھاری وجہ ان کی کامیابی کی نظر آتی ہے، اور وہ ان کا صبر ہے۔ یعنی دکھوں اور تکلیفوں کی برداشت، مصائب کا مقابلہ اور بلند ہمت، یہی چیز ان کی کامیابی کی اصل جڑ تھی۔

یہاں جو آیات مَیں نے پڑھی ہیں، ان سے پہلے ایک دعا کی تعلیم دی ہے۔ اور یہاں سے اس کی قبولیت کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اس قبولیت کا نشان کیا ہے؟ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہ ہوگا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِم جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ اور میرے رستہ میں انہیں دکھ دیا گیا۔ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا اور انہوں نے جنگ کی اور وہ قتل کئے گئے۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِم ایسے لوگوں کی برائیاں، تکلیفیں اور مصیبتیں مَیں دور کر دیتا ہوں وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰر پھر انہی کو بہشتوں میں داخل کرتا ہوں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ گویا قبولیت دعا کا وعدہ بھی انہی لوگوں کے ساتھ ہے، جو خدا کے رستے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ قتل بھی کئے جاتے ہیں۔ تب قوم کامیاب ہوتی ہے۔

مشکلات کا مقابلہ:

اور ان آیات کے آخر پر بطور نصیحت فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوْا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ اے ایمان والو! مشکلات اور مصائب میں صبر سے کام لو۔ صَابِرُوْا دوسرں کے مقابلہ میں زیادہ صبر دکھاؤ۔ یعنی دکھوں اور تکالیف

کی برداشت میں دوسروں سے بڑھ جاؤ۔ وَرَابِطُوْا اور محافظت کرو۔ یہ نہیں بتایا کہ کس کی محافظت کرو! دین کی محافظت قوم کی محافظت، وطن کی محافظت اور اپنے نفس کی محافظت، سب کچھ اس کے اندر آجاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہی بات تھی اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا پر عمل۔ جس نے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ کو اگر پڑھا جائے، تو اور کوئی چیز نہیں، جس نے مسلمانوں کو اتنی کامیابی عطا کی ہو، جتنی کامیابی انہیں صبر کی وجہ سے نصیب ہوئی۔ اسلام کی جتنی تعلیمات ہیں، ان میں بھی صبر کا سکھانا اسلام کی بڑی بھاری غرض ہے۔ مصائب اور دکھوں میں اپنے آپ کو برداشت کے قابل بنانا، یہ اسلام کا سب سے بڑا اسبق ہے۔ یہاں تک کہ نماز بھی صبر پیدا کرنے کے لئے ہے۔ اور حج کی بھی یہی غرض ہے۔ مُنہ سے تو ہر انسان کہہ لیتا ہے۔ کہ وہ بہت صبر اور برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن جب تک کوئی شخص صبر کا عادی نہ ہو، اس وقت تک مصیبتوں کی برداشت کی طاقت اس میں نہیں آسکتی۔ قومیں اسی وقت زندہ ہوتی ہیں جب ان میں دکھوں کے اٹھانے اور مصائب کو برداشت کرنے کی طاقت پیدا ہو۔ جب صبر اور حوصلہ کے ساتھ وہ مشکلات کا مقابلہ کرسکیں۔ اور مشکلات میں ہمت کو نہ ہاریں۔ مَیں نے کہا ہے کہ نماز بھی صبر کو پیدا کرنے کے لئے ہے۔ بلا شبہ بڑی آسائش اور آرام کو نماز کے لئے چھوڑنا پڑتا ہے۔ انسان کام کاج سے تھکا ہوا ہوتا ہے۔ یا اس کے سونے کا وقت ہوتا ہے، تو اسی وقت نماز کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اس وقت آرام کو چھوڑ کر نماز میں جانا صبر کی طاقت انسان میں پیدا کرتا ہے۔ ایسا ہی روزے کے متعلق فرمایا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (۲:۱۸۳) یہ اس لئے تم پر فرض کیا گیا کہ قوت عمل تمہارے اندر پیدا ہو۔ روزہ خود بڑے بھاری دکھوں اور تکلیفوں کے لئے انسان کو عادی بنانے کے لئے ہے۔ لیکن مسلمانوں نے رمضان کے مہینے کو ایک کفارہ بنا رکھا ہے۔ اس مہینہ میں عبادات اور نمازوں وغیرہ پر خوب زور دیا جاتا ہے۔ اور جونہی رمضان گزرا، سب کچھ ترک کر دیتے ہیں! سوال یہ ہے۔ کہ کیا اس روزے کی غرض یہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ انسان میں تقویٰ اور قوت عمل پیدا ہو۔ یا یہ ہے کہ اس مہینہ میں ثواب کی ایک گٹھڑی باندھ کر رکھ لی جائے۔ رمضان کے دنوں میں مسجدیں خوب معمور ہوتی ہیں۔ فرض نمازوں کے علاوہ روزہ کھول کر بیس بیس رکعت تک مسجدوں میں آکر پڑھتے، اور سارا سارا قرآن سنتے ہیں۔ لیکن ادھر رمضان گزرتا ہے، اور اُدھر مسجدیں خالی ہو جاتی ہیں! بہت سے مسلمان ہیں، جو جمعتہ الوداع کو مسجد میں آتے اور قضا عمری پڑھ کر چلے جاتے ہیں۔ مگر بہت لوگ ہیں، جو قضاء عمری کے خیال کو لغو سمجھتے ہوئے خود ماہ رمضان کو قضاء عمری کا سامان سمجھتے ہیں۔

صوم وصلوٰۃ کی غرض:

مَیں کہتا ہوں کہ کیا رمضان کی غرض یہ تھی کہ اس مہینہ میں ثواب کی گٹھڑیاں باندھ کر رکھ لی جائیں؟ یا روزہ اس لئے ہے کہ اتقاء پیدا ہو اور قوت عمل بڑھے؟ اپنے آپ کو صبر کا عادی بنانا یہ ہے غرض روزے کی! خدا کو اس سے کوئی خوشی نہیں ہوتی کہ تیس دن انسان بھوکا اور پیاسا رہے۔ اس کو خوشی اس بات سے ہوتی ہے کہ تم میں صبر اور برداشت کا مادہ پیدا ہو۔ تم میں قوت عمل ترقی کرے۔ اگر خدا کو خوش کرنے کے لئے کوئی قوت تم میں پیدا نہیں ہوتی، تو بے کار ہی تمہارا تیس دن تک بھوکا رہنا اور عبادات کرنا! اس ثواب اور عذاب کو چھوڑ کر حقیقی ثواب اس بات میں ہے کہ اپنے نفس کو دکھوں کا عادی بناؤ۔ اور قوت عمل اس میں پیدا کرو۔ جتنا زیادہ اپنے نفس کے اندر عمل کی طاقت پیدا کرو گے، اتنا ہی تمہارے لئے فائدہ کا موجب ہوگا۔ ہر شخص اپنے نفس کا خود مطالعہ کر کے دیکھ سکتا ہے، کہ وہ کہاں تک عمل کی طاقت رکھتا ہے! اور کہاں تک دکھوں کی برداشت اس میں ہے۔ اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (۱۷:۱۴) (اپنی کتاب پڑھ، آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہے) اپنے نفس کی کتاب تمہارے سامنے کھلی ہے۔ اس کو پڑھ کر دیکھ سکتے ہو۔ اپنے نفس کا خود مطالعہ کر سکتے ہو کہ کہاں تک وہ عمل کا عادی ہوا ہے۔ اور کہاں تک اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنی آسائش کو چھوڑنے میں اسے خوشی محسوس ہوتی ہے؟ مَیں پوچھتا ہوں۔ کیا غرض تھی تمہارے روزوں اور تراویح کی جو نوافل ہیں؟ اور جن کو اس طرح مسجد میں آکر رسول اللہ نے پڑھا بھی نہیں، جن کو اتنی دور دور سے آکر تم پڑھتے ہو۔ اور فرض نمازوں کے لئے چل کر نہیں آتے۔ یہ کس کا حکم تم مان رہے ہو؟ اپنے نفس کا۔ یا محمد رسول اللہ کا؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

بزہد وورع کوش وصدق وصفا　　ولیکن میفزائے بر مصطفیٰؐ

افسوس ہے کہ لوگوں نے ایسی ہوا و ہوس کو معبود بنا رکھا ہے۔ وہ نماز، جس کے لئے وہ روزوں میں گھنٹہ گھنٹہ بھر کھڑے رہتے ہیں، بعد

میں پانچ منٹ کے لئے آکر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم اگر ماننا ہوتا، تو فرض نمازوں کو باجماعت پڑھنے کی زیادہ فکر ہوتی۔ روزہ فِی ذاتہٖ کوئی چیز نہیں۔ محض ایک قوت پیدا کرنے کا سامان ہے جس شخص کے اندر یہ قوت پیدا ہو جائے، وہی روزے سے حقیقی فائدہ اٹھاتا ہے۔

رسم ورواج کی اصلاح کرو:

مَیں نے عید کے خطبہ میں اس پر زور دیا تھا کہ ہم کو ان رسم ورواج کو چھوڑنا چاہئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی برادری ہو، تو اس کو پتہ لگے کہ برادریوں میں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے! یہ سوچ غلط ہے۔ مَیں نے تو صرف ایک بھلائی کی بات کہی تھی۔ کہ اپنے روپے کو بچاؤ۔ یہ تمہیں بہتر کام دے گا۔ اس کو جو تم برادری کی خوشنودی کے لئے برباد کرتے ہو، اگر خدا کی خوشنودی کو مدنظر رکھو، تو اس سے تمہیں بہت سا فائدہ ہو سکتا ہے۔ لیکن کہلائیں احمدی! مجدد کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اور دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کی بجائے، دُنیا کو دین پر مقدم کریں! جاؤ! اور دوسری قوموں کو جا کر دیکھو۔ قوم کی بہتری کے لئے وہ کیا کیا کام کرتے ہیں! کیا تم مسلمان قوم کو تباہی سے بچانے کے لئے اس قدر کام نہیں کر سکتے کہ فضول اخراجات اور رسوم ورواج سے اپنے آپ کو الگ کر لو! اگر تمہارے سامنے مشکلات ہیں تمہارے گھروں، تمہاری بیویوں اور برادریوں کی طرف سے اگر مشکلات ہیں، تو جاؤ اور خدا کے آگے گرو۔ اس سے امداد طلب کرو۔ اپنے اندر قوت پیدا کرو۔ اگر تمہارے اندر قوت ہو، تو تمام مشکلات کو پیروں سے ٹھکرا سکتے ہو۔ اُٹھو! اور ہمت کرو۔ تاکہ دوسرے لوگ تمہارے نمونہ سے سبق حاصل کریں۔ ایک نئے رستے پر مسلمان قوم کو ڈال دو۔ جو انہیں تباہی کے گڑھے سے نکال کر فلاح کے مقام کی طرف لے جانے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو، مجھے اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے، کہ اپنے نفسوں کی خوشنودی پر خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کو ہم مقدم کریں۔ جس دن ہمارا یہ مقصد ہو گیا۔ کہ خُدا خوش ہو جائے، یقیناً خُدا اس وقت تمہارے لئے رستے بھی ایسے پیدا کرے گا، جو تباہی کے گڑھے سے نکالنے والے ہوں۔

خطبہ ثانی:

تین بڑے ضروری کام ہیں۔ جو مَیں چاہتا ہوں کہ اس وقت آپ لوگ کریں۔ بیان تو مَیں نے کر دیئے ہیں۔ لیکن اب مَیں چاہتا ہوں کہ کچھ آدمی ہم میں سے نکلیں، جو جماعتی رنگ میں ایک نظام کے ماتحت ان کاموں کو کریں۔ ایک تو یہی رسم ورواج کے کاٹنے کا کام ہے۔ دوسرا ہے بیماروں کی خبر گیری اور ان کے دکھوں میں امداد۔ جبکہ تیسرا کام ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے لئے کوشش کرنا۔ بلکہ ایک چوتھا کام بھی ہے وہ مسلمانوں کی تجارت کو ترقی دینا۔ لیکن یہ کام چونکہ کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے، اس لئے مَیں نے اس کو الگ کر رکھا ہے۔ اگرچہ مسلمان قوم کا حافظہ بہت کمزور ہے۔ آج سے چند ماہ پیشتر اس کا بہت زور تھا کہ مسلمان ہی سے سودا لیا جائے۔ لیکن آج بازار میں جا کر دیکھو، معلوم نہیں ہوتا، کہ کسی مسلمان کے وہم میں بھی یہ بات ہو۔ ہندوؤں ہی سے زیادہ تر مسلمان کی خرید فروخت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو اس سے غلطی لگتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو مسلمان سے سودا خریدنے پر زور دیا جاتا ہے۔ تو اس سے منافرت پھیلتی ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کہ اس کی غرض منافرت پھیلانا ہے۔ کم از کم سمجھدار ہندو تو اس کو برا نہیں مناتے، کہ مسلمان اپنی تجارت کو فروغ دیں۔ اصولاً یہ کوئی بُری بات نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص بیمار ہے اور دوسرا تندرست ہے۔ ضروری ہے کہ دوائی بیمار ہی کے منہ میں ڈالی جائے۔ روپیہ قوم کا خون ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (۵:۴) یعنی تمہارے مالوں ہی سے تمہاری زندگی، زندگی ہے۔ قوم کا خون اس وقت بہہ رہا ہے۔ کیونکہ اس کا روپیہ اس کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔ کوئی ایسی تجویز، جس سے قوم کا روپیہ قوم کے اندر رہنے کی صورت ہو، فوراً اختیار کرنی چاہئے۔ آپ کو چاہیئے کہ مسلمانوں میں اس خیال کو پھیلائیں کہ وہ اپنا روپیہ دوسروں کے پاس جانے سے بچائیں۔ اور اسے اپنی قوم کی قوت کا موجب بنائیں۔ ان چار کاموں کے لئے کوئی آدمی باہر نکلیں۔ اور وہ جماعتی صورت میں ان کاموں کو لے کر اٹھ کھڑے ہوں۔ ایک ایک کام کے لئے الگ الگ جماعتیں ہونی چاہیں۔ ایک گروہ تو رسم ورواج کو توڑنے کے لئے ہو۔ دوسرا بیماروں کی خبر گیری کو اپنا مقصد قرار دے اور تیسرا سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو بھجوانا اپنا فرض سمجھے۔ اور چوتھا مسلمانوں کی تجارت کو فروغ دے۔ اس کے لئے آپ لوگوں میں سے جو شخص، جس کام کو کرنا چاہتا ہو، اس کے لئے اپنے آپ کو والنٹیر کرے۔ اور مجھے رقعہ لکھ کر بھیج دے۔ کہ مَیں فلاں کام کرنا چاہتا ہوں۔ (پیغام صلح ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء) (فہرست مضامین)

پوڑی نمبر۔۸

خدا کا نام سننے سے سِدھ 'پیر' دیوتا اور ناتھ (سالک، عابد، عارف) جیسے مقام تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔
جس نے نام خدا سنا اس نے زمین، بیل (جس کے سینگوں پر زمین ٹھہری ہوئی ہے) اور آسمان کے بھید کو پایا۔
خدا کا نام سننے کے فیض سے خِطّے، دنیا اور پاتال برقرار ہیں۔
جس نے خدا کا نام سنا اسے موت کا خوف نہیں ڈرا سکتا۔
گورو نانک دیو فرماتے ہیں کہ عابد ہمیشہ سرور و سکون کی حالت میں رہتا ہے۔
نامِ حق سننے کی برکت سے تمام دکھ اور پاپ ختم ہو جاتے ہیں۔

ਸੁਣਿਐ ਸਿਧ ਪੀਰ ਸੁਰਿ ਨਾਥ ॥
ਸੁਣਿਐ ਧਰਤਿ ਧਵਲ ਆਕਾਸ ॥
ਸੁਣਿਐ ਦੀਪ ਲੋਅ ਪਾਤਾਲ ॥
ਸੁਣਿਐ ਪੋਹਿ ਨ ਸਕੈ ਕਾਲੁ ॥
ਨਾਨਕ ਭਗਤਾ ਸਦਾ ਵਿਗਾਸੁ ॥
ਸੁਣਿਐ ਦੂਖ ਪਾਪ ਕਾ ਨਾਸੁ ॥੮॥

سُنِئے سِدھ پیر سُر ناتھ
سُنِئے دھرتِ دھول آکاس
سُنِئے دِیپ لوء پاتال
سُنِئے پوہِ ن سکے کال
نانک بھگتا سدا وِگاسُ
سُنِئے دوکھ پاپ کا ناسُ ۔۸۔

(فہرست مضامین)

عیسیٰؑ کی بعثت ثانی

حضرت مسیح علیہ السلام فوت شدہ ہیں اور احادیث میں نزول مسیح کا جو ذکر ہے اُس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص اُمت میں پیدا ہو گا اور استعارہ کے طور پر مسیح ابن مریم کہلائے گا۔ جس طرح ایک بہادر شخص کو اسکی بہادری کے باعث شیر کہہ دیتے ہیں تو شیر کہنا استعارہ ہے۔ لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آنے والے مسیح کو حدیث میں نبی اللہ کہا گیا ہے لہٰذا حضرت مرزا صاحبؒ جو استعارہ کے طور پر مسیح ہیں اصلی نبی ہیں۔ گویا انکے اپنے عقیدہ میں تضاد ہے۔ ایک طرف مسیح کو استعارہ کہتے ہیں اور دوسری طرف حضرت مرزا صاحبؒ کو اصلی نبی مانتے ہیں۔ حالانکہ اصولی طور پر اگر پیشگوئی استعارہ والے مسیح کی نسبت مانی جائے گی تو پھر اس کا نبی ہونا بھی استعارہ ہی ہو گا اور استعارہ والا نبی اصلی نبی نہیں ہو سکتا۔ گویا یہ عقیدہ خود انکے اپنے اصولوں سے باطل ثابت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحبؒ لکھتے ہیں: "انبیاء مجاز اور استعاروں کے لبادہ میں کلام کرتے ہیں۔۔۔ آپ ﷺ کا قول ہے عیسیٰ ابن مریم تم میں ضرور نازل ہونگے۔ یعنی اُن کی صفات رکھنے والا ایک شخص تم میں مبعوث ہو گا۔ اور وہ عیسیٰ کا قائم مقام ہو گا۔" (اردو ترجمہ حمامۃ البشریٰ۔ ص ۱۶۰)

"آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبوی سے نبی اللہ نکلا ہے وہ اِنہی مجازی معنوں کے رو سے ہے۔" (روحانی خزائن جلد ۱۱۔ صفحہ ۲۶ تا ۲۸۔ حاشیہ)

"یاد رہے کہ مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ بھی آیا ہے یعنی بطور مجاز اور استعارہ کے۔" (روحانی خزائن جلد ۱۴۔ ص ۳۰۸ تا ۳۰۹)

"آنے والے مسیح کے لئے ہمارے سید و مولیٰ (ﷺ) نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی۔" (روحانی خزائن جلد ۳۔ صفحہ ۶۰)

"ہمارے (مخالف۔ ناقل) علماء کی ضد تو اِس بات پر ہے کہ ابن مریم کے اُترنے کے بارہ میں جو حدیث ہے اس کو حقیقت پر حمل کرنا چاہیئے لیکن ان کے بعض عقلمندوں سے جب اس حدیث کے معنی پوچھے جائیں کہ ابن مریم اُترے گا اور صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا تو ابن مریم کے لفظ کو تو حقیقت پر ہی حمل رکھتے ہیں اور صلیب اور خنزیر کے بارہ میں کچھ دبی زبان سے ہماری طرح استعارہ اور مجاز سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں۔ پس وہ لوگ اپنی اس کارروائی سے خود ملزم ٹھہرتے ہیں کیونکہ اس صورت میں اُن پر یہ حجت وارد ہوتی ہے کہ اِن تین لفظوں میں سے جو ابن مریم کا اُترنا اور صلیب کا توڑنا اور خنزیروں کا قتل کرنا ہے دو لفظوں کی نسبت تو تم آپ ہی قائل ہو گئے کہ بطور استعارہ اُن سے اور معنی مراد ہیں تو پھر یہ تیسرا کلمہ جو ابن مریم کا اُترنا ہے کیوں اس میں بھی بطور استعارہ کوئی اور شخص مراد نہیں؟ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا اِن خیالات مجموعہ تناقضات پر جے رہنا طریق عقلمندی و فرزانگی ہے یا وہ معارف قریب بفہم و مطابق عقل ہیں جو اس عاجز پر کھولے گئے ہیں۔" (روحانی خزائن جلد ۳۔ صفحہ ۱۲۵)

"استعارہ کے رنگ میں مجھے ابن مریم (یعنی مسیح۔ ناقل) ٹھہرایا گیا ہے۔" (روحانی خزائن جلد ۲۱۔ ص ۱۱۰)

پس جب صلیب استعارہ ہے، خنزیر استعارہ ہے، ابن مریم استعارہ ہے، تو مسیح کا نبی ہونا بھی ایک استعارہ ہونا چاہیے۔ اس لئے جو لوگ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کو اصلی نبی قرار دیتے ہیں۔ گویا اپنے ہی نظریہ سے باطل اور غلط ثابت ہوتے ہیں۔ (فہرست مضامین)